© rasailojaraid.com

میں نے انہیں قریب سے دیکھا

علامہ محمد مدنی رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک یادگار تحریر

سید اکرام الحق جاوید کے قلم سے

محترمی ومکرمی علامہ محمد مدنیؒ کو ہم سے جدا ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ یاد آتے رہتے ہیں شاید یہ ان کی محبت کا اعجاز ہے کہ وہ ہمیشہ یاد آتے رہیں گے۔ حرمین میں ''کلمۃ الحرمین'' لکھتے ہوئے مجھے کئی سال ہو گئے ہیں۔ اسلئے میں حرمین کا قاری بھی ہوں۔ مدنی صاحب جب رختِ سفر باندھ کر چلتے بنے تو میرے جیسے بہت سے نیاز منداپنے کرب کو اطمینان سے بدلنے اور سکون کے حصول کیلئے قلم وقرطاس کے ذریعے زخموں پر مرہم لگاتے رہے۔ دھیرے دھیرے صدمہ کم ہونے لگتا ہے اور پھر اسی طرح یادگار اور یاد آور تحریروں کے چراغ جلنے بجھنے لگتے ہیں۔ میں نے مدنی صاحب کی موت کے بعد تقریباً وہ سارے ہی مضمون پڑھ لئے ہیں جو حرمین اور اس کے علاوہ دیگر رسائل میں طبع ہوئے۔ کسی مضمون نگار نے اپنی وابستگی کے حوالے سے کوئی ایک آدھ واقعہ لکھ بھی دیا ہوگا۔ تاہم زیادہ تر مرحوم کی خوبیوں کے بیان سے صرف ہوتا رہا۔

آپ یقین ملاحظہ اس دوران میں سوچتا رہا کہ میں بھی اپنا حصہ ڈالوں۔ یادوں کے دریچوں میں ہونے والے چراغاں میں اپنا بھی دیا جلاؤں اور جو کچھ مجھے یاد ہے وہ سب کو بتاؤں۔ لیکن میں شاید اس احساس کمتری میں مبتلا رہا کہ یہ کوئی بتانے والی باتیں ہیں؟؟؟ میں سوچتا رہا... میں نظر انداز کرتا رہا... مہینوں بلکہ سال گزر گئے... میں اس گلشن میں اپنا پھول نہ کھلا سکا۔ میری قلمی واردات مجھے اکساتی رہی کہ تو صاحب قلم ہے۔ تجھے لکھنے میں حرج ہی کیا ہے۔ یہ بھی یقین ہے کہ جو لکھوں گا حافظ عبدالحمید عامر صاحب بخوشی من وعن شائع بھی کر دیں گے۔ لیکن بات بنانے کے باوجود بن نہیں رہی تھی۔ اب وہ خشک موسم بھی آچکا کہ ''حرمین'' میں مدنی صاحب کے حوالے سے کوئی مضمون بھی شائع نہیں ہو رہا۔ میرا ضمیر مجھ پر مضمون نگاری کا بوجھ ڈالے ہوئے ہے۔ میں نے اب یہ قرض اتارنے کے اسباب سوچنے شروع کئے۔ میں بھی دیگر اہل قلم کی طرح بڑے بڑے اہم قومی وبین الاقوامی واقعات تلاش کر رہا تھا۔ مدنی صاحب تو بلاشبہ عالمی شخصیت تھے لیکن میں نہیں... پھر میں نے دل سے مشورہ کیا تو اسے پر جوش حامی پایا۔ اب میں یہ چھوٹے چھوٹے واقعات لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ جو عام طور پر کسی بھی شخصیت کے حوالے سے لکھے نہیں جاتے مگر میں نے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان تمام تر حوالوں سے قبل میرے لئے مشکل کام وہ تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھروسہ صرف اللہ پر کرتے

مدنی صاحب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیا کرتے۔ انہوں نے کبھی کسی شخص، ادارے یا جماعت پر انحصار نہیں کیا۔ وہ سب کی سنتے، سب سے باتیں کرتے لیکن وہ ہر معاملے میں یہ کہا کرتے تھے کہ ہر معاملے میں بھروسہ اللہ پر ہی کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے معاملات میں ان کی توقعات اور امیدیں پوری نہ ہوتیں تو انھیں ملال بھی نہ ہوتا۔ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو پریشانی میں گھرا ہوا دیکھ کر فرمایا کرتے۔ بھروسہ صرف اللہ پر ہی کرنا چاہیے۔ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہم بھی ان کی بتائی ہوئی راہ پر عمل کر رہے ہیں۔ اسی لئے ہمیں اطمینان قلب نصیب ہے۔

ہم نے انھیں ہمیشہ سادہ لباس پہنے ہوئے دیکھا۔

علامہ صاحب چاہتے تو ان کے پاس لباس کے جوڑوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ وہ چاہتے تو اپنے دوستوں سے اتنے جوڑے بنوا لیتے کہ مہینے بعد ایک کی باری آتی۔ صحیح صورت حال تو ان کے گھر والے ہی جانتے ہیں لیکن میں نے ان کو دو تین جوڑے ہی پہنتے دیکھا ہے۔ بیرونی سفر میں جاتے تو ایک جوڑا پہنا ہوتا۔ دو بریف کیس میں ہوتے (تہمند) اور ساتھ ایک دھوتی۔ بس یہی ان کی کائنات تھی۔ جوتا بھی سادہ سا، کبھی انہوں نے کروفر نہیں دکھایا ایک ہی جوتی ہوتی۔ جب تک وہ ٹوٹ نہ جاتی دوسری نہ لیتے۔ ان کی یہ سادگی ان کی درویشانہ زندگی کی عکاس ہے۔

تلاوت قرآن مجید ہی ان کا سرمایہ تھا

مدنی صاحب کی کار کے بورڈ میں اور کچھ ہو نہ ہو قرآن مجید کا نسخہ ضرور ہوتا۔ جیسے ہی وہ کار چھوڑتے وہ اس قیمتی اثاثے کو اٹھا کر وہاں لے آتے جہاں وہ بیٹھتے۔ جیسے ہی انھیں تھوڑا سا وقت ملتا وہ عینک لگاتے اور تلاوت شروع کر دیتے۔ انھیں کسی کے انتظار کی کوفت نہ ہوتی وہ اس دوران کلام الٰہی سے راحت حاصل کر لیتے۔ انہوں نے قرآن مجید کا جو نسخہ ابتدا میں نیا رکھا تھا وہ روزانہ کے استعمال سے پرانا ہو چکا تھا۔ لیکن نسخہ وہی تھا۔ بعض اوقات وہ آب دیدہ بھی ہو جایا کرتے۔ عربی زبان پر انہیں مکمل عبور اور پوری دسترس تھی۔ قرآن مجید جو معانی کا سمندر ہے ہر روز ان کو نئے مفاہیم سے متعارف کراتا۔ دن کا اجالا ہو یا رات کی مدہم روشنی وہ اپنا شغف قرآن سے رکھتے۔ اس طرح وہ دنیا کی چغلیوں کو سننے سے بھی بچ جاتے اور انہیں غیبت سے بھی راہ فرار ملتی رہتی۔ بہر حال ہم نے انہیں اسی حالت میں دیکھا کہ قرآن مجید ہی ان کا سرمایہ تھا اور اللہ کے فضل سے آج وہ اس کا پھل کھا رہے ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ کرتے۔ تھوڑا بتاتے

مدنی صاحب لاف زنی کے قائل نہ تھے۔ وہ ایسی ویسی بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ ہم نے عام علماء اور شیوخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنا رعب جمانے کیلئے اپنی بات میں وزن ڈالنے کیلئے اور اپنے ادارے کی ساکھ بنانے کیلئے "زیب داستاں" سے کام لے لیتے ہیں۔ مدنی صاحب اس کے برعکس تھے۔ وہ جامعہ کے بارے میں معمولی سا بتاتے۔ لیکن جب کوئی جامعہ دیکھنے آتا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہتیں کہ مدنی صاحب نے اس قدر تو نہیں بتایا تھا۔ ایک بار کوئی غیر ملکی شخصیت جامعہ گئی۔ اس نے جامعہ کا دورہ کیا۔ لائبریری دیکھی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے بالآخر مدنی صاحب سے پوچھ لیا کہ شیخ! آپ نے وہاں اتنی بڑی لائبریری کا تو ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ تو مدنی صاحب مسکرا کر رہ جاتے۔ سفیر کویت نے جامعہ کے دورے کے بعد واپس اسلام آباد آ کر جن شاندار الفاظ میں جامعہ کی پر شکوہ عمارت، شاندار نتائج، وسیع لائبریری اور معیار تعلیم کا ذکر کیا وہ اس قابل تھا کہ سنہری حروف سے لکھا جاتا۔ وہ اپنا استقبال دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ لیکن مدنی صاحب نے اس سے پہلے ایسی کوئی بات نہ کی تھی۔ یہ ان کا ظرف تھا کہ وہ کرتے زیادہ تھے بتاتے کم!

دعا بڑی تسلی سے کیا کرتے تھے

مدنی صاحب نماز کی ادائیگی کے بعد یا بغیر نماز کے قبلہ رو ہو کر بڑی تسلی سے دعا کیا کرتے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو سنت کے مطابق پیالہ بنا کر اور ان کا رخ آسمان کی طرف کر کے اپنے رب سے مانگا کرتے تھے دعا کا یہ انداز اللہ تعالیٰ کو تو پسند آئے گا ہی کہ اس سے اس کا ایک عاجز بندہ مانگ رہا ہے۔ لیکن ہم اسے عام انسانوں کیلئے بھی بڑی توجہ کا مرکز رہتا۔ اس انداز میں جو عاجزی دکھائی دیتی ہے وہ کسی اور انداز میں نہیں ملتی۔ یقیناً بہت سے لوگ جو ان سے دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں مدنی صاحب ان کیلئے بھی اللہ سے خیر اور بھلائی مانگتے ہوں گے۔

ٹوٹا ہوا بریف کیس نہیں بدلا

مدنی صاحب جب بھی بیرون ملک سفر پر جاتے صرف ایک بریف کیس ہی ان کی کل متاع ہوتا۔ جانے سے پہلے وہ عموماً راولپنڈی میں میرے غریب خانے پر آ جاتے تو پھر ہم ان کو ائیر پورٹ پر الوداع کہنے جاتے۔ کبھی کبھی وہ سیدھے اسلام آباد ائیر پورٹ پہنچ جاتے۔ ان کی گاڑی میں بعض دفعہ ان کے بھائی بھی ہوتے یا اگر وہ نہ آ سکتے تو ڈرائیور کے ساتھ ایک آدھ جامعہ کا سٹاف ممبر ہوتا۔ یہ بریف کیس اتنا خستہ ہو چکا تھا کہ ہمیں اٹھا کر ائیر پورٹ پر انھیں تھماتے ہوئے خفت محسوس کرتے۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ میں نے نیا لے کر کیا کرنا ہے۔ بس یہ ٹھیک ہی تو ہے۔ ہم نے کہا کہ آپ بیرونی دورے پر جاتے ہیں نیا لے کر جائیں۔ کہنے لگے میرا کام نکلتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امین صاحب بھی یہیں ہوتے اس طرح توحید ہوٹل کی رونقیں چند برسوں تک میرے ہاں بحال رہیں۔ میں حسب توفیق ان کی جس طرح بھی مہمان نوازی کرتا رہا۔ اس نے مجھے ان کے کافی قریب کر دیا۔ امین صاحب کو تیار ہونے اور میرے گھر تک پہنچتے پہنچتے بعض اوقات زیادہ وقت لگ جاتا۔

اس دوران میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر امین صاحب کی کمی پوری کرتا رہتا اور پھر مدنی صاحب بھی مجھ سے محبت کرتے۔ میرا حال چال پوچھتے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ میں جامعہ کا یہاں چلتا پھرتا سفیر بن جاؤں۔ چنانچہ میں نے ان کی زندگی ہی میں بریف کیس پکڑ کر ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔ میں نے ایک روز ازراہ تفنن ان سے کہا کہ مدنی صاحب! میں زندگی میں ایک خواہش کے پورا ہونے کا انتظار کروں گا کہ میں کسی ملک میں پاکستان کا سفیر بنوں۔ کہنے لگے شاہ جی! جامعہ کا سفیر تو بنا دیا ہے۔ وہ بھی بن جائیں گے۔ میں بھی کسی کے ساتھ منہ باندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ گپ شپ، حالات حاضرہ، جماعتی امور، دینی معاملات سمیت زندگی کے ہر موڑ اور ہر قدم کے بارے میں ہمارا مدنی صاحب سے ایک دوسرے کی رائے پر تبادلہ خیال ہوتا رہتا۔ کبھی کبھی مدنی صاحب کے ہمراہ ان کے ایک دو بھائی بھی ساتھ ہوتے۔ کبھی حافظ عبدالحمید صاحب، کبھی حافظ احمد حقیق صاحب کبھی یہ دونوں اکٹھے یا کبھی اکیلے اکیلے۔ بہر حال ان کو بھی یہ ساری باتیں پتہ ہیں یا نہیں۔ بہر حال میں نے چھوٹے چھوٹے کئی واقعات تو لکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ پیش خدمت ہیں۔ اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہے کہ اصل واقعات کو حقیقت کے رنگ میں پیش کرنے کیلئے مجھے اتنا طویل ماضی اور حال بیان کرنا پڑا۔ تاہم ان سطور کے بغیر اگلے واقعات کی گہرائی سمجھ میں آنا بے حد مشکل تھا۔ یہ وہ واقعات ہیں جو مرحوم کی تمام زندگی کا حصہ ہیں۔ ان سے مدنی صاحب کے اہل خانہ، خاندان اور احباب پوری طرح محظوظ ہوں گے۔ کچھ افراد میرے واقعات کی تائید بھی کریں گے۔ مدنی صاحب کے دوستوں کا ایک حلقہ اب بھی موجود ہے جو مرحوم کے مشن میں اپنا حصہ ڈالنے کیلئے مصروف ہے۔ لیکن اگر اس ''مجلس احباب'' سے مزید قربانی مانگی جائے تو وہ تیار ہو گی۔ مدنی صاحب اگرچہ آج ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن جامعہ علوم اثریہ، اس کی شاخیں، مختلف شہروں میں مساجد، مدارس اور رفاہی منصوبے جہاں ان کیلئے صدقہ جاریہ ہیں وہاں وہ اپنے پیچھے رہنے والوں کیلئے ایک سلیبس بھی چھوڑ گئے ہیں کہ یہ ہیں وہ کام جو کر کے دنیا و آخرت کی بھلائی کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو قبر میں کروٹ کروٹ سکون نصیب کرے آمین۔ ہم تو خود مدنی صاحب سے ملنے کیلئے ان سے باتیں کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں پتہ نہیں اب زندگی کتنی ہے اور مر کر ہم جب عالم ارواح میں جائیں گے تو مدنی صاحب سے کیسے ملاقات ہو گی۔ واللہ اعلم!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدنی صاحب بھی چوکڑی مار کر بیٹھنے کے عادی تھے اور میں بھی۔ہم کافی قریب ہو ہو کر بیٹھ لیتے۔اسی طرح اب پھر چاہتا ہوں کہ چوکڑیاں مار کر بیٹھیں اور مدنی صاحب پوچھیں کہ سنائیں کیا حال ہے۔جنت میں کیسی گزر رہی ہے کیا کیا مزے لے رہے ہیں آپ۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ تمام راحتیں صیغہ راز میں رکھی ہیں۔اس لئے پوچھا جاسکتا ہے نہ بتایا جاسکتا ہے۔یہ تو خود ہی مر کر پتہ چلے گا کہ کس پر کیا بیتتی ہے؟ مدنی صاحب کا میں کلاس فیلو رہا نہ میں ان سے مدرسے میں پڑھا۔ان سے خطابت سیکھی نہ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔لیکن ان کو ہم اپنا بڑا بھائی، قائد اور مخلص دوست ضرور سمجھا کرتے تھے۔ایک دو بار کسی بات پر انہوں نے میری بھی سرزنش کی لیکن مجھے اچھا لگا کہ ابھی کوئی ایسا ہے جو ہماری اصلاح کرے، ہم پر تنقید کرے اور ہمارے ساتھ تلخی کر کے ہمیں بہار کی چاشنی دے۔برسبیل تذکرہ عرض کرتا جاؤں کہ اگرچہ مدنی صاحب اور امین صاحب کے اتنے گہرے اور قریبی تعلقات تھے لیکن مدنی صاحب، امین صاحب کی کلاس لینے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔وہ برملا امین صاحب سے اختلاف کرتے۔ان کی غلطی کی نشاندہی کرتے اور اصلاح کرتے۔آج امین صاحب اسی بات کو تو روتے ہیں کہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا نہیں رہا۔اس طویل تر تعارفی مضمون کو سمیٹتے ہوئے میں ان واقعات کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ جو لاکھوں عقیدت مندوں کیلئے بہت سا سبق لئے ہیں۔یہ واقعات ہی کسی کی شخصیت، مزاج اور طرز عمل کی گواہی دیتے ہیں۔افسوس اس بات پر ہے کہ ہم بحیثیت قوم ہر زندہ شخص کی ناقدری کرتے ہیں اور مرنے کے بعد اس کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔

؎ عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے خالقیت کے دستور میں یہ بات لازم رکھی ہے کہ اس نے کسی شخص کو خوبی اور خامی کے بغیر پیدا نہیں کیا۔اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی خوبیوں کے حوالے سے جانا جاتا ہے یا برائیوں کے اعتبار سے پہچانا جاتا ہے۔مدنی صاحب میں بلاشبہ بہت خوبیاں تھیں جبھی تو وہ اس منصب پر فائز ہوئے لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ ان میں خامیاں نہیں تھیں۔ہم دوسروں کی طرح اندھی تقلید کے حامل نہیں ہیں اور یہی ہمارا اعزاز ہے۔انسان ہونے کے ناطے مدنی صاحب میں کافی کمیاں بھی ہوں گی۔لیکن یہی عاجزی رب تعالیٰ کو پسند ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد لوگ اس کی کمیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اس کی اچھائیوں اور بھلائیوں کے حوالے سے یاد رکھیں۔میں بھی دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مدنی صاحب کی کوتاہیاں، خطائیں اور لغزشیں معاف کرے اور ان کو بھلائیوں کے حوالے سے جنت الفردوس عطاء فرمائے آمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو مجھے تفصیل سے بتانا پڑے گا۔تب جا کر آپ واقعات سے بننے والی تصویر میں حقائق کے رنگ بھر سکیں گے۔ مضمون تو مدنی صاحب پر لکھا جانا چاہیے تھا لیکن میں بھی اس کا ایک حصہ بنوں گا تو بات آگے بڑھے گی

1986ء میں، میں نوائے وقت راولپنڈی میں نیوز ڈیسک پر سب ایڈیٹر تھا۔ میری ملاقات اس وقت سیاہ ڈارھی والے ایک نوجوان محمد مدنی سے ہوئی جو اپنے سے زیادہ اپنی شناخت اپنے والد حضرت مولانا عبدالغفور صاحب جہلمی کے حوالے سے رکھتا تھا۔ ملاقات کا مرکزی کردار راولپنڈی کی ایک کاروباری شخصیت چوہدری محمد امین تھے۔ چوہدری امین کے صدر راولپنڈی میں کئی ہوٹل تھے۔ اور رمضان المبارک کے دوران جب میری ڈیوٹی نوائے وقت میں ہوتی تھی تو میں چاہتا تھا کہ میں روزہ چک بازار والی مسجد اہل حدیث میں کھولا کروں، دفتر تو دفتر ہی ہوتا ہے۔ اس دوران چوہدری محمد امین نے مجھے آفر کی کہ میں ان کے ساتھ صدر ہی میں توحید ہوٹل پر اجتماعی افطاری کیا کروں اور یہاں سے میری امین صاحب سے ملاقاتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ مدنی صاحب کا راولپنڈی میں پڑاؤ توحید ہوٹل ہی پر ہوتا تھا اور یہی ان کا کیمپ آفس ہوتا۔ چونکہ میں نوائے وقت ملتان سے ٹرانسفر ہونے کے بعد اہل حدیث احباب کا متلاشی تھا۔ چنانچہ مجھے بھی توحید ہوٹل اچھا لگنے لگا۔ یہاں تمام افراد، آنے جانے والے ملکی وغیر ملکی احباب سارے کے سارے سلفی ہوتے تو میرے لئے یہ ہوٹل ''اہل حدیث کلب'' سے کم نہ تھا وقت گزرتا گیا امین صاحب اللہ جانے مجھے کیوں اچھے لگنے لگے۔ ان سے معمولی علیک سلیک دوستی میں بدلنے لگی۔ ادھر مدنی صاحب جو کہ اس وقت مرکزی جمعیت اہل حدیث پنجاب کے صوبائی امیر تھے۔ میرے لئے صحافتی غذا بھی مہیا کرنے لگے۔ مجھے اچھی خبریں ملنے لگیں۔ توحید ہوٹل کے دروازے ہر قسم کے افراد کیلئے 24 گھنٹے کھلے رہتے۔ چوہدری صاحب کے اگر وسیع المشرب اور کھلے دستر خوان کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ بہت بڑی ناقابل معافی غلطی اور بددیانتی ہوگی۔ چوہدری صاحب سے دوستی کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملنے لگیں۔ حتیٰ کہ اپنی تو حالت یہ ہوگئی کہ روزانہ ملاقات کے بغیر قرار کھونے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو اس وقت مجبور پاتے ہوئے محسوس کیا کہ اب تو محبت ہوگئی ہے۔ مدنی صاحب کو میں توحید ہوٹل کے ہال میں سرخ رنگ کے قالین پر سفید تکیوں پر سر رکھے لیٹا ہوا پاتا۔ وہ اٹھتے، ملتے، گپ شپ ہوتی، حال چال پوچھتے پھر میں نے جائزہ لیا کہ مدنی صاحب خشک قسم کے عابد و زاہد اور تنگ نظر مولوی نہیں ہیں بلکہ کھلے دل کے مالک اور جہاندیدہ ہیں... یہ وہ اسباب تھے۔ جو ہمیں ایک دوسرے سے نزدیک کرتے گئے۔

ورنہ کسی خشک طبیعت مولوی، زاہد تنگ نظر اور اپنے کنویں میں رہنے والے مینڈک کی طرح اپنے مدرسے سے باہر نہ نکلنے والے سے ہماری دوستی نہیں چل سکتی۔ میں نے سلفی ہونے کے ناطے اپنے کردار کو ادا کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع کردیا اور جہاں جہاں تک میرے ہاتھ لمبے تھے۔ان تمام اخبارات میں مدنی صاحب کے بیانات اور انٹرویو شائع ہونے لگے۔بطور صحافی میں اپنے مسلک کیلئے جو کرسکتا تھا کرتا رہا۔اسی دوران راولپنڈی اسلام آباد میں مساجد کا جو جال بچھ رہا تھا جس کے روح رواں چوہدری امین تھے۔لہذا مجھے اپنی دوستی پر اس لئے بھی خوشی تھی کہ میں اس شخص کا ساتھی بن رہا ہوں۔جو اللہ کے گھر تعمیر کرنے میں اپنا وقت، اپنا پیسہ اور اپنی صلاحیتیں وقف کئے ہوئے ہے۔مساجد کی تعمیر مدنی صاحب اور امین صاحب کا مشترکہ منصوبہ ہوا کرتا تھا۔دونوں اللہ کے گھر بنانے کی کوششوں میں مصروف، میں جب ان کی مساجد کی تعمیر کے حوالے سے لوگوں کی حمایت اور مخالفت کی باتیں سنتا تو میرا دل بھی چاہتا کہ میں بھی اس عظیم تر کام میں ان کا ساتھی بن کر اپنی آخرت کی فکر کروں۔اس طرح یہ دونوں احباب مسلک کے حوالے سے میرے لئے میر کارواں کی حیثیت رکھتے اور میں ان کے نقش پا کو دیکھ کر چلنے والا اجنبی مسافر تھا۔چند ہی برسوں کے بعد ''حرمین شریفین موومنٹ'' کی بنیاد رکھی گئی۔پوسٹر ڈیزائن کرنے کرانے اور موومنٹ کے سیکرٹری اطلاعات کی ذمہ داری بھی مجھ پر آ گئی۔انہی دنوں میں، میں نے قرآن وسنت کے عملی نفاذ کیلئے صحافیوں کی ملک گیر تنظیم اسلامک یونین آف جرنلسٹس پاکستان کی بنیاد رکھی تھی اور میں اپنا دن اس کی تنظیم سازی میں لگاتا۔''نوائے وقت'' راولپنڈی میں میری ڈیوٹی عصر کے بعد سے رات 2 بجے تک ہوتی۔1991 میں، میں نے اپنی رہائش سرکلر روڈ منتقل کر لی۔جہاں ایک طرف سرکلر روڈ پر مسجد اہل حدیث نزدیک ہوگئی اور اسی محلے میں امین صاحب کی رہائش بھی تھی۔اس لئے امین صاحب اور مدنی صاحب کے ساتھ ہوٹل کے علاوہ ملاقاتیں سرکلر روڈ کی مسجد میں بھی ہونے لگیں۔اور اس طرح مسجد ہی ہمارا ''میٹنگ پوائنٹ'' بن گئی۔

مدنی صاحب کو جہلم سے راولپنڈی اسلام آباد میں ہر دوسرے تیسرے روز آنا پڑتا۔وہ فون کرتے اور سیدھا سرکلر روڈ کی مسجد پہنچ جاتے۔ناشتہ اکٹھے کرتے اور پھر میں امین صاحب اور مدنی صاحب کے ہمراہ اسلام آباد بھی جانے لگا۔جہاں کام نمٹا کر ہم 3 بجے کے قریب واپس لوٹتے۔میں دفتر چلا جاتا امین صاحب ہوٹل پر اور مدنی صاحب عازم جہلم ہو جاتے۔معاونت، رفاقت، دوستی، چاہت، لگن اور محبت کا یہ سلسلہ جو مرحوم حضرت مولانا حافظ عبدالغفور رحمہ اللہ کی موت کے وقت سے چل رہا تھا اس وقت تک مستحکم رہا جب تک محمد مدنی صاحب کے جسد خاکی سے روح پرواز نہیں کر گئی۔اس طرح کئی دہائیوں پر مشتمل دورانیے کا میں امین صاحب کے قابل اعتماد دوست کے حوالے سے عینی شاہد ہوں۔پھر اللہ کا یہ کرنا ہوا کہ مدنی صاحب میرے غریب خانے پر ہی قیام فرمانے لگے۔ میں ان کے آنے سے پہلے چشم براہ ہوتا اور اسلام آباد کے امور سے فارغ ہو کر وہ میرے ہاں ہی تشریف لاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئے پہ کیا رقم خرچ کرنی ہے۔ بس زندگی بھر وہی ساتھ رہا۔ یہ ان کی سادگی اور قناعت پسندی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

تحفے تحائف لانے کے عادی نہ تھے

مدنی صاحب سال میں کئی مرتبہ بیرون ملک سفر پر جاتے۔ الوداع کے وقت بھی ہم ہوتے اور استقبال کے وقت بھی ہم ائیر پورٹ پر موجود ہوتے۔ بس وہی ایک بریف کیس ہی ان کا ہمرکاب ہوتا۔ مدنی صاحب کا بریف کیس انہی دو جوڑوں اور ایک تہبند سے ٹھسا ہوتا۔ پھر وہ ہوٹل پر یا میرے گھر تشریف لاتے۔ پہلے پہلے تو ہماری نظر ان کے بریف کیس پر ہوتی کہ وہ ہمارے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ لائے ہوں گے۔ لیکن کیا مجال کہ کوئی ایک چھلا تک بھی لاتے ہوں۔ ایک بار تو میں نے خوشگوار موڈ دیکھ کر کہہ ہی دیا۔ مدنی صاحب! کیا باہر سے لانے کیلئے کوئی تحفہ نہیں ملتا۔ کہنے لگے شاہ جی! میں جامعہ کے کام جاتا ہوں جامعہ کا کام کر کے لوٹ آتا ہوں۔ میں کبھی تحفوں کے چکر میں پڑا ہوں نہ کسی کیلئے تحفے لایا ہوں۔ میں نے بعد میں محسوس کیا کہ مدنی صاحب جبھی تو آئے دن بیرون ملک آئے گئے رہتے ہیں۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ نہ دینا نہ لینا اور یہی عمل ان کے جامعہ کے ساتھ خلوص کا اظہار کرتا ہے۔

ڈرائیور کا بہت خیال رکھا کرتے تھے

مدنی صاحب کے ساتھ گاڑی میں جو ڈرائیور بھی ساتھ ہوتا۔ مدنی صاحب اس کا بے حد خیال رکھتے۔ وہ جہلم سے ساتھ آتا تو اسے میرے گھر کے ڈرائنگ روم میں ٹھہراتے۔ اس کیلئے دوپہر کے کھانے کا انتظام پکا کرواتے یا اس نے اگر گاڑی ٹھیک کرانا ہوتی تو تب بھی کسی کے حوالے کر دیتے۔ بہر حال ڈرائیور کو نظر انداز نہ کرتے۔ خود چائے پئیں یا نہ پئیں، سفر لمبا ہو تو ڈرائیور کو چائے بھی پلواتے۔ ان کی ڈرائیور کو یہ سہولتیں مہیا کرنے کا عمل ظاہر کرتا تھا کہ وہ اپنے واپسی کے سفر کو کس حد تک محفوظ بنانے کا تہیہ کرتے۔ عموماً ڈرائیور بھوکا ہو یا اسے چائے کی طلب ہو تو مالک کے ڈر یا احترام سے اس کا اظہار بھی نہیں کرتے۔ مگر مدنی صاحب اپنے ڈرائیور کی چائے پانی کا خصوصی خیال رکھتے!

وقت کے بہت پابند تھے

وقت کی پابندی ان کا شیوہ تھا۔ وہ کس وقت سوتے یا کس وقت جاگتے یہ تو مجھے علم نہیں تاہم وہ جس وقت بتاتے صبح اسی وقت ہی جہلم سے پنڈی پہنچے ہوتے اور جو وقت اسلام آباد کے کسی آفس میں طے ہوتا اتنے وقت میں وہاں ہوتے۔ ادھر امین صاحب کیلئے وقت کی پابندی اتنی ہی محال ہوتی۔ چنانچہ پھر امین صاحب کی اس کمی کا مداوا مجھے کرنا پڑتا اور میں سمجھتا ہوں کہ وقت کی پابندی بھی ان کی کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ تھی۔ مجھے وقت کی پابندی کا چونکہ خود احساس رہتا ہے لہذا میں مدنی صاحب کی اس خوبی کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ بعض اوقات تو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابندیِ وقت کا اتنا خیال رکھتے کہ ناشتہ وغیرہ بھی چھوڑنا پڑتا تو محسوس نہ کرتے۔ علماء کی محفلوں میں خاص طور پر اس پابندی کا احساس بالعموم رکھا نہیں جاتا مگر وہ خود پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی اس کی توقع رکھتے۔

مسلک بیان کرنے میں کبھی لیت ولعل نہ کرتے

کتاب وسنت کی بات کرنے میں وہ کبھی کہیں نہیں ہچکچاتے۔ وہ ڈٹ کر حق بیان کرتے۔ مسلک پر انہوں نے زندگی بھر افہام وتفہیم سے کام نہیں لیا۔ میں نے ان کو اپنے علماء میں بھی بولتے دیکھا اور میں نے انہیں دوسرے علماء کی مجالس میں حق گوئی کرتے ہوئے سنا۔ انہیں مسلک کے حق میں بولنے سے کسی شخص کا عہدہ، تمکنت اور کوئی مفاد رکاوٹ نہیں بنا۔ مرعوب ہونا تو جیسے انہیں آتا ہی نہیں تھا۔ انہیں ضرورت کے باوجود کہیں بھی لالچ نہیں ہوا۔ متوکل علی اللہ تو وہ تھے ہی، حق گوئی اور سنت کی بالادستی سے وہ دوسروں کو اس طرح زیر کر لیتے جیسے کوئی جنگل کا بادشاہ اپنی چابکدستی اور مہارت سے اپنے شکار کو دبوچ لیتا ہو۔ انہوں نے زندگی بھر مسلک پر کوئی سودے بازی نہیں کی۔ حق ان کی زبان پر اس طرح آجاتا جیسے وہ گونگوں، بہروں کو قوت گویائی اور سماعت عطا کر رہے ہوں۔

زندگی بھر اپنی غیرت کو مرنے نہیں دیا

فیصل آباد جامعہ سلفیہ کا دور ہو یا مدینہ یونیورسٹی میں طالب علمی کا زمانہ۔ انہوں نے ہر جگہ اور ہر مقام پر اپنی غیرت اور خودی کو مرنے نہ دیا۔ وہ زندہ رہے تو بہادروں کی طرح، گرجے تو شیروں کی طرح۔ میں نے ان کے ساتھ ایسے ایسے مقام پر جا کر بھی دیکھا کہ جہاں لوگ صرف ایک بار جھانکنے کی خواہش دل میں سمیٹ کر زندگی بھر پھرتے رہتے ہیں علامہ مدنی نے تو بعض اوقات یہ دیکھنے سے بھی انکار کر دیا کہ ان کی گفتگو کا مخاطب پاکستانی ہے یا عربی سفارتکار۔ کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوئی نہیں اور انہوں نے وہاں سے واک آؤٹ نہ کیا ہو۔ ہم نے تو بڑے بڑے لوگوں کو انہیں مناتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔ کوئی وزیر ہو یا سفیر، ان کی نظر میں عہدوں کے حوالے سے ان کی کوئی قدر ومنزلت نہیں اگر انہیں کسی مقام پر یہ محسوس ہوتا کہ یہاں ان کی اس قدر توقیر نہیں ہوگی کہ جس کے وہ حقدار ہیں تو پھر کوئی مائی کا لال انہیں وہاں ٹھہرنے، رکنے یا بیٹھنے پر مجبور نہ کر سکتا۔ ان کی بڑی بڑی آنکھوں کی سرخی احوال دل کہنے پر آمادہ ہو جاتی۔

وہ ہنسی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے

مدنی صاحب کبھی کبھی ترنگ میں ہوتے تو دوسروں کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیتے۔ لیکن ایک محدود پیمانے تک۔ جو لوگ ان کے واقف نہ ہوں ان سے اس طرح کا رویہ نہ کرتے۔ وہ محظوظ ہونے کیلئے بات خود بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھیڑ لیتے اور پھر خود بھی کوئی دلچسپ واقعہ اور لطیفہ سنا دیا کرتے تھے۔ شاید وہ ہم جیسے رفقاء کی مزاج شناسی کے پیش نظر کبھی کھل کر بھی ہنس لیتے لیکن یہ واقعات تعداد میں بہت کم ہیں۔

اخبار پڑھنے سے پہلے

ایک بار مدنی صاحب نے ہمارے ہاں ہی قیام کیا۔ صبح ہوئی میں نے انہیں جا کر اخبار دیا۔ ان کو اخبار دینا میرے لئے بھی ایک صبر آزما مرحلہ تھا۔ میں خود خبروں کو پہلے نظر مارنا چاہتا تھا لیکن مجھے ان کا احترام عزیز تھا۔ میں نے دیکھا کہ مدنی صاحب جو از خود بھی بیتابی سے اخبار پڑھنے کے عادی ہیں۔ اٹھے اور قرآن مجید کھول لیا۔ اتنی دیر میں، میں نے ان کے پاس بیٹھ کر اخبار دیکھ لیا۔ انہوں نے تھوڑی دیر تلاوت کی اور پھر میں نے پڑھا پڑھایا اخبار ان کے آگے کر دیا۔ کہنے لگے آپ کو پتہ ہے کہ میں نے اخبار پہلے کیوں نہیں پڑھا۔ میں کچھ تو سمجھ گیا تھا لیکن نفی میں سر ہلایا۔ بولے میری عادت ہے کہ میں جب بھی سو کر اٹھوں تو کسی دوسری چیز کو پڑھنے سے پہلے اپنی نظروں کو قرآن کی برکت سے آسودہ کرتا ہوں۔ آج میں لیٹ ہو گیا تھا۔ تاہم پھر بھی اخبار سے پہلے قرآن کو دیکھ لیا۔

یہ کس کا بیٹا ہے؟

ایک بار ہمارے ہاں تشریف لائے۔ ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی حافظ احمد حقیق اور ایک دو ساتھی بھی تھے۔ غالباً ایک بچہ بھی ساتھ تھا۔ میں نے چونکہ مدنی صاحب کے سارے بچے دیکھے ہوئے نہیں تھے چنانچہ پوچھ لیا کہ مدنی صاحب یہ بیٹا آپ کا ہے؟ میرے پوچھنے پہ مدنی صاحب نے جواب نہیں دیا، مجھے احساس ہوا کہ میں نے کوئی غلط سوال تو نہیں پوچھ لیا؟ مدنی صاحب چپ! پھر گویا ہوئے کہ بیٹا تو یہ میرا ہی ہے لیکن اس کے والد حافظ احمد حقیق ہیں۔ میں ان کے اس جواب پر جہاں بے حد خوش ہوا کہ کس طرح انہوں نے رشتوں کو جواب کی لڑی میں پرو دیا وہاں میں از خود اس بات پر شرمندہ بھی ہوا کہ میں نے خوامخواہ مدنی صاحب کو ایک مخمصے میں کیوں ڈالا؟ میں نے انہیں محسوس تو نہیں ہونے دیا لیکن مجھے ان کے اس جواب نے ان کی اجتماعی خاندانی سوچ کے سمندر میں غرق ضرور کر ڈالا۔

کبھی کبھی شعر بھی سن لیتے تھے

اسلام اگرچہ عام قسم کی شعر و شاعری کو فضول اور پاگل پن قرار دیتا ہے لیکن اچھا شعر اور اچھی شاعری اپنے اندر مفاہیم کا سمندر بھی رکھتی ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ راقم کو ایک بڑا شعری سرمایہ ازبر ہے۔ جو اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ قابل عمل نہیں رہا لیکن اس سے میں خود بھی اور اہل ذوق لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ گاڑی میں سفر کے دوران وہ مجھے کہا کرتے کہ شاہ جی کوئی شعر تو سناؤ۔ ایک بار میں نے از خود ہی قتیل شفائی کا ایک شعر انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنایا تو وہ بہت محظوظ ہوئے کہنے لگے پھر سناؤ، میں نے پھر سنایا۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی سن لیں۔

؎ دنیا میں قتیل اس سا منافق نہیں کوئی ۔ جو ظلم تو سہتا ہے۔ بغاوت نہیں کرتا

مشاورت لازمی کرتے

مدنی صاحب نے دنیا دیکھی ہے۔ علم کا ایک سمندر ان کے سینے میں ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ وہ عمر، مرتبے، علمی حیثیت اور منصب کے اعتبار سے اس مقام پر تھے کہ اگر وہ کسی سے مشاورت نہ بھی کریں اور فیصلے خود ہی کرتے چلے جائیں تو شاید و باید ہی کسی کو اعتراض ہوگا۔ لیکن میں نے ان میں یہ کمال فن دیکھا کہ وہ بعض ایسے امور میں بھی اپنے رفقاء کار اور بھائیوں سے مشاورت کرتے جو مجھے تو بڑا عجیب محسوس ہوتا۔ لیکن وہ نہ جانے کس مصلحت، یکجہتی اور ضرورت کے تحت کرتے تھے۔ بہر حال مشاورت کا یہ عمل سنت بھی ہے۔ بعض اوقات نئی بات بھی سامنے آ جاتی ہے اور کئی بار اس شخص کے منہ سے بھی اچھی اور حیرت انگیز بات نکل جاتی ہے کہ جس کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

اپنے علم کا تکبر نہ کرتے

میں تو اخبار نویس ہوں۔ ہم لوگ فطرتاً، جانچ پرکھ، پڑتال، حقائق شناسی اور بات کی تہہ تک پہنچ جانے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمارا معمول بن جاتا ہے۔ اور نظروں نظروں میں بندہ پرکھا جاتا ہے۔ میں نے خود بھی ایم اے ایجوکیشن کیا ہوا ہے۔ میرے اندر بھی ایک استاد ہے۔ میں مدنی صاحب کو دیکھتا رہتا تھا لیکن میں یہ گواہی دینے کو تیار ہوں کہ جتنا ان کے پاس علم، تجربہ، تعلقات اور صلاحیت تھی انہوں نے اس کا کبھی تکبر نہیں کیا۔ وہ عجز و انکساری سے رہنے والے تھے۔ مدینہ یونیورسٹی پڑھنا، مسجد نبوی میں درس دینا، مولانا حافظ عبدالغفورؒ کا فرزند ہونا، اچھا خطیب ہونا، جماعت کا نائب امیر ہونا۔ یہ ساری باتیں ایک طرف، ان کا علمی شخصیت تسلیم کئے جانے کے باوجود انکسار ان کی اعلیٰ ظرفی کا بین ثبوت ہے اور وہ آج کل کے تھوڑے علم والے علاموں کیلئے ایک ''علامتی نشان'' بھی ہیں۔

میری خواہش ہے

جامعہ کو چلانے کیلئے لاکھوں روپے کے ماہانہ مصارف کا بوجھ جن پر ہو وہی جانتا ہے۔ مدارس چلانے والے احباب کا یہ دکھ تقریباً یکساں ہے۔ ''جوتن لاگے، سوتن جانے'' والی بات ہے۔ جامعہ علوم اثریہ کے سینکڑوں طلبہ و طالبات کے کھانے پینے، پہننے، پڑھنے کے دیگر لوازمات، سٹاف کی تنخواہ، معمول کے اخراجات، ٹیلی فون، بجلی گیس کے بل اور نہ جانے کیا کیا مسائل ہیں؟ میں مدنی صاحب کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ کس طرح اس غم میں ہلکان ہوتے رہتے تھے۔ موجودہ رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید صاحب اور ان کے دیگر رفقاء بھی سمجھتے ہیں۔ پھر مدنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب کا مسلسل سفروں میں رہنا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں خود حدیث پڑھاؤں لیکن یہ جھنجھٹ اور مسائل میری یہ خواہش پورا ہونے نہیں دے رہے۔

انہیں کا کام ہے کہ جن کے حوصلے ہیں زیادہ

انسان کو اللہ تعالیٰ نے قیام کیلئے بنایا۔ ایک جگہ رہتا ہے۔ بستا ہے۔ وہیں کاروبار کرتا ہے۔ وہ مزاجاً سفر پسند نہیں ہوتا۔ ویسے بھی حدیث میں ہے کہ ''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے''۔ سفر سے انسان ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ تھک جاتا ہے۔ میں مدنی صاحب کو دیکھ کر حوصلے پکڑتا تھا کہ دیکھو یہ لوگ بھی تو ہیں۔ کوئی ذاتی کاروبار نہیں۔ کوئی منافعت نہیں۔ دین کا کام ہے اور سفر ہے۔ یعنی سارے سفر دین ہی کیلئے کرتے ہیں۔ میں نے کئی بار مشاہدہ کیا کہ وہ اپنے اندرون ملک بھی ہفتہ ہفتہ مسلسل سفر میں رہتے۔ گھر سے دوری بچوں، بہنوں، ماں کی جدائی۔ لیکن وہ حوصلے سے سفر کرتے تھے۔ گھبراتے نہیں تھے۔ اکتاتے نہیں تھے۔ اور کبھی انہوں نے گلہ نہیں کیا۔ میرے خیال میں ایک شاعر کا شعر یہاں کچھ نہ کچھ صادق آتا ہے۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج ۔۔۔ مشکلیں اتنی بڑھیں مجھ پہ کہ آسان ہوگئیں

بعد از نماز لوگ مصلےٰ دہرا کیوں کرتے ہیں؟

میں نے ایک روز مدنی صاحب سے پوچھا کہ مدنی صاحب لوگ نماز ادا کرنے کے بعد جائے نماز کا ایک کونہ الٹا کر کیوں رکھ دیتے ہیں۔ ہم نے بھی اپنے والدین اور بزرگوں کو یہی کرتے دیکھا۔ جائے نماز بچھا رہتا ہے اور ایک کونہ الٹا کر موڑ دیا جاتا ہے۔ کہنے لگے کہ یہ کوئی تاویل نہیں ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث میں کوئی فرمان رسولؐ ہے۔ اللہ جانے لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

دوستوں کو تبلیغ کرتے رہتے

مدنی صاحب جہاں سارا دن خود ذکر اذکار کرتے رہتے وہاں وہ اپنے اردگرد کے احباب دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی تبلیغ کرتے رہتے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ بس یہ تمام لوگ میرا احترام کرتے ہیں۔ یہ جانیں اور ان کا ایمان، بلکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے عندیے سے ان لوگوں کو نماز کی تلقین کرتے۔ قرآن مجید کی مبارک آیات کے مفہوم بیان کر دیتے۔ کسی سے پوچھ لیتے کہ وہ دین کے فلاں معاملے میں کیا کرتا ہے۔ وہ احباب کو نیکی کے چھوٹے چھوٹے کام کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اور بہت سے معاملات میں روک ٹوک بھی کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شب بیداری ان کا دستور تھا

مجھے تو وہی کچھ پتہ ہے جو میرے سامنے ہوا، میرے علم میں آیا۔ جس جس رات میں وہ ہمارے ہاں قیام کرتے اس اس رات کا مجھے پتہ ہے۔ وہ تہجد پڑھا کرتے۔ سردیوں کی ایک رات میں نے دوسرے کمرے میں گڑگڑاہٹ سنی۔ میں نے دیکھا کہ کمرے کی چھوٹی بتی جل رہی ہے میں نے دروازہ کھول کر جھانکا تو مدنی صاحب اپنے رب کے حضور سجدے میں پڑے آہ وزاری کر رہے تھے۔ میں نے ان کے خلل کے ڈر سے دروازہ بند کر دیا۔ ہلکی ہلکی آواز ادھر بھی آرہی تھی۔ رب کا بندہ اپنے لئے بخشش کی دعا مانگ رہا ہے۔ مدنی صاحب بتایا کرتے تھے کہ اللہ کو رات کا اٹھنا کتنا پسند ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جتنے امیر کبیر نیک لوگ صاحب حیثیت ہیں ان میں سے اکثریت شب بیدار اور تہجد گزار ہے۔ جو اپنی رات کی نیند چھوڑ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں کیوں سرفراز نہ کرے؟؟؟

چھوٹی چھوٹی بات پر استخارہ کر لیتے

ہمارے ہاں عام دستور ہے کہ ہم کسی بڑی بات پر ہی استخارہ کرتے ہیں۔ کوئی اہم کام ہو رشتہ ناطہ کرنا ہو تو ہم استخارہ کرتے ہیں ورنہ یونہی توکل علی اللہ ہی کام چلا لیتے لیکن مرحوم مدنی صاحب چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی استخارہ کرنے کے عادی تھے۔ ایک بار مقامی جماعتی احباب نے مدنی صاحب سے التماس کی کہ نماز عید الفطر راولپنڈی پڑھائیں۔ مدنی صاحب دو تین روز قبل ہی غالباً سعودی عرب سے لوٹے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ حسب سابق جہلم عید پڑھائیں۔ راولپنڈی میں جماعتی اتحاد کے لئے ان کا خطبہ دینا ضروری تھا۔ ایک دو دن انہوں نے مشورے کئے بالآخر انہوں نے ہمارے ہاں ہی استخارہ کیا اور اگلے روز نماز عید الفطر راولپنڈی میں پڑھائی۔

دوست اور دشمن، واضح رکھتے تھے

میں نے دیکھا کہ مدنی صاحب دوستوں اور دشمنوں کو ایک ہی صف میں رکھتے۔ یعنی صفائی کی قطار، سچائی کی لائن، ستھرائی کی لکیر اور وضاحت کی لین میں۔ ان کے ہاں سودا بالکل صاف ستھرا ملاوٹ سے پاک۔ ایک ہی کوالٹی یکساں معیار اور برابری کا لین دین۔ جو دوست ہے وہ کھل کر دوست، جو دشمن ہے وہ بھی کھل کر دشمن، انہوں نے اس سلسلے میں کسی ریاکاری، منافقت اور بارگیننگ کو اپنی کمزوری نہیں بننے دیا۔ ایسا کام کوئی متوکل علی اللہ ہی کر سکتا ہے کہ جس کو یہ خبر ہو کہ زمین و آسمان میں ہونے والا ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ جب تک کسی کے بارے میں بدگمانی یا رنجش ختم نہیں ہوتی وہ اس کو دوست کہہ کر نہیں پکارتے تھے۔ آج ہمارے معاشرے میں شاید ایسے ہی انسانوں کا کال ہے، ایسی ہی جنس کی قلت اور ایسی ہی خوبی کی دنیا متلاشی ہے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گاڑی ہی میں نیند پوری کر لیتے

کسی شب بیدار کو اپنی نیند تو پوری کرنی ہی ہوتی ہے۔ مدنی صاحب اس نیند کو اپنی گاڑی میں پورا کر لیتے ڈرائیور بتاتا کہ جہلم سے علامہ صاحب کی آنکھ لگی تھی اور یہاں آ کر کھلی ہے۔ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا کہ گاڑی ہمارے غریب خانے کے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی۔ میں ہارن کی آواز پر ڈرائینگ روم کھولتا۔ دیکھتا کہ میرے ہی ہاتھ کی فرنٹ سیٹ پر مدنی صاحب ابھی بھی سو رہے ہیں۔ انہیں یہ خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ راولپنڈی پہنچ چکے ہیں۔ میں پھر جا کر ان کا دروازہ احتراماً کھولتا۔ اس دوران ان کی آنکھ کھل جاتی۔ وہ ٹوپی پہن کر باہر اترتے۔ میں ان کو خوشی اور آزاردگی سے دیکھتا بھی تھا۔ خوشی ان کی آمد کی۔ اور آزردگی اس بات کی کہ تیرا یہ بندہ اپنے آپ کو کس حد تیری راہ میں لگائے ہوئے ہے کہ اس کو نیند کے لئے وقت ملتا ہے تو وہ بھی کار میں سفر کے دوران۔

آپ کے گھر آ کر جی بہت لگتا ہے

مدنی صاحب مجھ سے بہت خوش رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی ناراض۔ وہ مجھے اپنی ناراضگی کا خود نہیں بتاتے تھے بلکہ وہ امین صاحب سے میری کوتاہی اور غفلت کا گلہ کرتے تھے۔ پھر میں ان سے معذرت کرتا یا ان کو کوئی وضاحت پیش کرتا۔ تب وہ خوش ہوتے۔ میں اس ناراضگی کو بھی اپنے لئے تفاخر محسوس کرتا تھا۔ یہ ناراضگی بھی باہمی پیار کا کھلم کھلا ثبوت ہے۔ ایک دن بڑے ہی خوش تھے۔ دوپہر کو یہاں ہی لیٹے۔ ہم بھی بڑی مسرت سے ان کی خدمت بجالاتے۔ وہ آجاتے تو پھر ہمارے تمام شیڈول متاثر ہوتے۔ ایک روز کہنے لگے شاہ جی! میں نے کہا جی مدنی صاحب! کہنے لگے کہ آپ کے گھر آ کر جی بہت لگتا ہے۔ میں خوشی سے پھولے نہیں سمایا۔ ایک سادہ سا ڈرائینگ روم ہی تو تھا۔ اٹیچ باتھ روم۔ ایک صوفہ چند کرسیاں، ایک بیڈ، بس یہ کل کائنات تھی۔

ہاں ہاں تم نے جہیز میں ٹی وی کیوں دیا؟

میں نے ایک بار مدنی صاحب کو برہم ہوتے ہوئے دیکھا۔ ہوا یوں کہ میں امین صاحب کے ہمراہ لاہور میں ہمارے مشترکہ دوست اور بہترین میزبان حافظ فیاض صاحب کے گھر اندرون شیرانوالہ میں تھے کہ پروگرام کے مطابق مدنی صاحب بھی اگلے روز جہلم سے تشریف لائے۔ اسی محلے کے اہل حدیث ساتھی مدنی صاحب کو ملنے آگئے۔ ان کی بیٹی کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور چند ہی ماہ میں بیٹی کے سسرال میں ٹھن گئی۔ وہ جہیز پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ بتا بیٹھے کہ میں نے اپنی بیٹی کو جہیز میں ٹیلی وژن بھی دیا ہے۔ مدنی صاحب کو ناگوار گزرا۔ کہنے لگے کہ اہل حدیث ہو کر بھی آپ اپنی بیٹی کو ٹی وی دیں گے تو لوگ کیا کہیں گے۔ ہمیں اس سے اجتناب کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ وہ آگے سے دلائل دینے لگے۔ بس پھر کیا تھا مدنی صاحب کی موٹی موٹی آنکھیں انگارے بن گئیں۔ مدنی صاحب نے پھر اس کو اس قدر زچ کیا کہ اب اس کا دل چاہے کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں غرق ہو جاؤں۔ مدنی صاحب یہ بخوبی جانتے تھے کہ ٹی وی سیٹ "شیطانی کھیل" ہے اور یہ تمام برائیوں کا دروازہ ہے۔

میں موت کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہوں

ہمیں مدنی صاحب بتایا کرتے تھے کہ میں ہر وقت موت کے لئے تیار رہتا ہوں۔ بقول شخصے

قبر کے چوکھٹے خالی ہیں ان کو مت بھولو　　نہ جانے کب کوئی تصویر سجا دی جائے

کہتے تھے کہ موت کا کیا پتہ کب آجائے۔ میں اپنی جسمانی تراش خراش، آلائش اور آلودگیوں سے اپنے بدن کو ہر وقت صاف ستھرا رکھتا ہوں تا کہ آخری غسل دینے والے کو زیادہ کوفت نہ ہو۔ اب صاف ظاہر ہے۔ کہ جس شخص نے زندگی ہی میں موت کو اس قدر طاری کر رکھا ہو۔ اور ہر وقت اس تیاری میں رہتا ہو کہ موت کا بلاوا اب آتا ہے اب آتا ہے اس کو دنیا سے بے رغبتی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ وہ تو اگلی منزل کے حصول کے لئے یہاں مسافروں کی طرح جیے گا اور جیسے ہی گرین سگنل ہوگا وہ منزل کی راہ لے گا۔ ایک مضبوط اعصاب کا مالک اور علم و ہنر کا سمندر ہمیں جاتے ہوئے ایک سبق دے گیا ہے کہ جانا ہو تو کیسے چلا جاتا ہے۔ اور رہنا ہو تو کیسے جیا جاتا ہے۔

نئی گاڑی نہیں لی۔ پرانی سے گزارہ کر لیا

میں مدنی صاحب سے اکثر کہا کرتا تھا کہ مدنی صاحب آپ اتنا سفر کرتے ہیں کوئی کام کی گاڑی کیوں نہیں لے لیتے کہتے کہ شاہ جی۔ اسی پہ گزارہ کر لیں گے۔ نئی گاڑی لے کر کیا کریں گے؟ میں کہتا کہ آپ سہولت سے سفر کیا کریں گے۔ میں پھر دلائل دیتا کہ دیکھیں فلاں فلاں مدرسوں کے رئیس حضرات نے کتنی اچھی گاڑیاں رکھی ہیں۔ کہنے لگے کہ جامعہ کے اخراجات پورے کریں یا نئی گاڑی خریدیں اگر وہ ایک بار کسی کو ہی کہہ دیتے کہ مجھے ایک نئی گاڑی کی ضرورت ہے۔ تو وہ ان کو لے دیتے لیکن اصرار پر بھی اس فقیر منش نے یہی کہا کہ یہ ہے جو... اسی پر گزارہ کر لیں گے۔ حالانکہ گاڑی کی حالت خاصی خراب تھی۔ 18-20- سال پرانی گاڑی پر زندگی بھر نباہ کرتے رہے۔ انہوں نے درویشی نہیں چھوڑی جہان چھوڑ دیا۔

ذکر ایک سحری کا

میری اہلیہ جو مدنی صاحب کی عمر، بزرگی، علم، خدمات، اور ان کے فروغ دین کی کوششوں کے حوالے سے انہیں اپنا روحانی باپ سمجھتی ہے اس بات پر بجا طور پر فخر کرتی تھی۔ کہ مدنی صاحب اس کے مہمان ہیں۔ کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مہمان اللہ کی رحمت ہوا کرتے ہیں۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مدنی صاحب ہمارے ہاں قیام پذیر تھے۔رمضان کے ایام تھے۔سحری پکا کر دینے کا فکر اور اس میں چاہت بھی۔مدنی صاحب نے حکم دیا کہ خشک روٹی مجھے دی جائے میری بیوی نے خشک روٹیوں کے ساتھ پراٹھا بھی دینے کا ارادہ کیا۔پانچ سات منٹ زیادہ لگ گئے۔جب کھانا لے کر میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔میں نے عرض کی کہ حضرت ابھی تو اذان میں چند منٹ رہتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ میں سحری جلدی کھا لیتا ہوں۔میرا وقت گزر گیا آپ سحری کر لیں جس کا ہمیں زندگی بھر افسوس رہے گا۔

اک دنیا قدردان تھی ان کی،اک جہاں حاسد

مدنی صاحب علمی میدان میں ثقہ حیثیت کے مالک تھے۔خطابت میں وہ اپنا الگ مقام رکھتے تھے۔ان کی وفات کے بعد اہل خانہ،اہل خاندان اور جامعہ کی انتظامیہ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔کہ دنیا مدنی صاحب کی کس حد تک قدردان تھی لیکن میں نے ان کی زندگی میں ہی دیکھا کہ اک جہان ان سے کس قدر حسد رکھتا ہے۔کچھ تو دوسرے مسلک کے لوگ،کچھ جو مدنی صاحب کی شہرت سے جلتے تھے۔میں بہت سے ایسے افراد کے نام جانتا ہوں کہ جو حسد کی آگ میں جلتے ہوئے جہاں تک زور چلا مدنی صاحب کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالیں۔وہ یہ سمجھتے تھے کہ مدنی صاحب جھک جائیں گے لیکن انہیں یہ علم نہ تھا جو صرف اور صرف اللہ پر بھروسہ کرے وہ کیسے جھکے

کویت کے انٹرنیشنل پروگرام میں جامعہ کے وفد کی نمایاں کارکردگی

حکومت کویت کے مستقل ادارہ بیت الزکاۃ الکویت کے ادارہ النشاط الخارجی کے تحت ملتقی الایتام الثالث کے پروگرام میں جامعہ علوم اثریہ کے وفد نے شرکت کی اس وفد کی قیادت رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر نے کی۔جس میں مشروع کافل الیتیم کے مدیر حافظ احمد حقیق کے علاوہ چار منتخب طلباء نے شرکت کی۔

مورخہ 18 فروری سے لے کر 23 فروری تک کویت میں منعقد ہونے والے اس پروگرام میں سابق امیر کویت شیخ جابر الاحمد الصباح کے بیٹے الشیخ علی جابر،وزیر العدل والاوقاف واموردینیہ ڈاکٹر عبداللہ المعتوق، سفیر پاکستان اور کویت کے دیگر علماء و شیوخ نے افتتاحی پروگرام میں شرکت کی۔اس پروگرام میں نو ممالک کے وفود شریک ہوئے۔جس میں جامعہ کے طلباء کی کارکردگی بہت نمایاں رہی اور بہت سارے انعامات،میڈلز اور شیلڈ سے انہیں نوازا گیا۔کویت میں قیام کے دوران جہلم کی مشہور کاروباری شخصیت قمر حسین بٹ،انور بٹ،سرور بٹ،حفیظ اللہ بٹ اور حافظ محمد اشرف کے علاوہ دیگر بہت سے احباب نے وفد کے ساتھ ہر ممکن تعاون اور ان کی خدمت کی۔اس دوران سفیر پاکستان نے بھی وفد کو سفارت خانہ میں خصوصی دعوت دی اور جامعہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔

© rasailojaraid.com